Pakistan journal of media Sciences (PJMS), Vol.4, Issue: No1. (2023), pp:1-15..
P-ISSN: *2709-5401*, E-ISSN: *2709-5401*

پاکستانی فلمی صنعت کے فروغ میں ہفت روزہ نگار کا کردار،تحقیقی وتجزیاتی جائزہ

محمد سرفراز سیال ،محمد اسامہ شفیق
پی ایچ ڈی، اسکالر، شعبہ ابلاغ عامہ،جامعہ کراچی
sarfrazsial@gmail.com،
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ ابلاغ عامہ، جامعہ کراچی
osamashafiq@ uok.edu.pk،

ABSTRACT

The first Pakistani film, "Teri Yad," was released in 1948, while The Weekly Nigar initially appeared in 1949. It would not be incorrect to claim that the weekly Newspaper and the Pakistani cinema industry are contemporaries and have developed together. Over the course of more than 70 years, both have seen many ups and downs. The Pakistani film industry's highs and lows are directly observed by Weekly Nigar. Therefore, studying Nigar is sort of like studying the film industry in Pakistan. Through this research, it is possible to pinpoint the problems, situations, and occurrences that the Pakistani film business, its related people, and the weekly Nigar, the country's largest film magazine, have to deal with. Ilyas Rashidi, the man behind the Newspaper, has dedicated his life to advancing the motion picture industry. Shameem Ara, Sangeeta, Rani, Shabnam, Saud, Robin Ghosh, author Bashir Niaz, and renowned filmmaker Nazar-ul-Islam are just a few of the industry's stars that Nigar introduced. Nigar Awards, which Ilyas Rashidi introduced in 1957, profoundly altered the Pakistani film industry. Ilyas Rashidi is regarded as the "Father of Film Journalism" as a result of all of his achievements. The weekly Nigar stayed strong with the film industry and those connected to it, regardless of martial law, linguistic disputes, economic hardships, or religious extremism

Keywords: Nigar,Ilyas Rashidi,Pakistan Film Industry

تعارف

معروف صحافی الیاس رشیدی نے ہفت روزہ نگار کا آغاز 1949ء میں کیا اور پاکستان کی پہلی فلم"یری یاد" 1948ء میں ریلیز ہوئی، اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہفت روزہ نگاراور پاکستان کی فلم انڈسٹری ہم عمر ہیں، دونوں نے کئی نشیب وفراز دیکھے، وہ وقت بھی آیا جب پاکستانی فلموں کا طوطی بولتا تھا لیکن حالات بدلتے رہے، پاکستان کے سیاسی وسماجی حالات کا اثر براہ راست پاکستان کی فلمی دنیا پربھی پڑا، فلم خود ایک بڑا میڈیم ہے اور اس میں شک نہیں کہ ابلاغ کا ایک بڑا ذریعہ بھی ہے، بدقسمتی سے پاکستان میں اسے وہ اہمیت، مقام اور پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی جو ہونی چاہیے تھی، کبھی تو مذہب کے نام پر قدغن لگائی گئی اور کبھی سنسر کے نام پر اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس صنعت کو کسی بھی طرح سے ختم نہیں کیا جا سکتا، ہفت روزہ نگار نے فلمی صنعت کی ترقی کے لیے انتہائی اہم کردار کیا، ہرموڑ پر فلمی صنعت سے وابستہ لوگوں کی رہنمائی کی اورتعمیری تنقید کے ذریعے صنعت کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

مفروضہ

ہفت روزہ نگار نے پاکستانی فلم صنعت کی ترقی کے لیے اہم کردار ادا کیا۔
ہفت روزہ نگار نے پاکستانی فلم صنعت کی ترقی کے لیے جزوی کردار ادا کیا۔
ہفت روزہ نگار نے پاکستانی فلم صنعت کی ترقی کے لیے کوئی خاص کردار ادا نہیں کیا۔

Pakistan journal of media Sciences (PJMS), Vol.4, Issue: No2. (2023), pp. ...-...
P-ISSN: *2709-5401*, E-ISSN: *2709-5401*

مقصدتحقیق

فلمی صحافت اور پاکستان کی فلم انڈسٹری کے فروغ میں ہفت روزہ نگار کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے،ہفت روزہ نگار کے بانی الیاس رشیدی پاکستان میں فلمی صحافت کے بانی مانے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے آپ کو "بابائے فلمی صحافت"کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ہفت روزہ نگار پرتحقیق سے پاکستان کی فلمی صنعت کے حالات کے بارے میں بھی اہم حقائق معلوم ہوئے ہیں،،ہفت روزہ نگار،الیاس رشیدی کا صحافتی کیریئر اور پاکستان کی فلمی صنعت دراصل ایک ہی کہانی کے تین کردار ہیں، کسی ایک کے بارے میں تحقیق تینوں کرداروں سے متعلق تحقیق ہے، اس تحقیق میں کوشش کی گئی ہے کہ فلمی صنعت کی ترقی کے لیے ہفت روزہ نگار کی خدمات کو سامنے لایا جائے اور اس بات کا بھی تعین کیا جائے کہ وہ کون سی وجوہات تھیں جن کی بنا پر پاکستان کی فلم انڈسٹری کی کشتی مسلسل ہچکولے کھاتی رہی۔

تحقیق کا دائرہ کار

تحقیق کے دائرہ کار سے مراد وہ میدان ہے جہاں سے تحقیق کے موضوع کے لیے مواد اکٹھا کیا گیاہے، اس کے لیے ہفت روزہ نگار کے شمارے، خصوصی ایڈیشنز،مختلف اخبارات وجرائد میں شائع ہونے والے الیاس رشیدی کے انٹرویوزاور نگار ایوارڈز سے متعلق شائع ہونے والی تحریروں کا جائزہ لیا گیا ہے،اس کے علاوہ ہفت روزہ نگار کی اہمیت اور الیاس رشیدی کی شخصیت سے متعلق مختلف شخصیات سے انٹرویوزبھی کئے گئے ہیں۔

تحقیق کا طریقہ کار

اس تحقیق کے لیے دستاویزی طریقہ تحقیق جسے تاریخی طریقہ تحقیق بھی کہا جاتا ہے کو پیش نظر رکھتے ہوئے تنقیدی اور تجزیاتی طریقہ کار اپنایا گیا ہے۔

صحافت کا آغاز

تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتا چلتا ہے کہ انسان نے جب علم کو محفوظ کرنے کا طریقہ سیکھ لیا تواس نے اس بات پر غور شروع کر دیا کہ اس کا پھیلاؤ کیسے ممکن بنایا جائے کیوں کہ ہاتھ کی لکھائی کے ذریعے علم کا ذخیرہ جمع کرنا بہت مشکل کام تھا، اسی سوچ بچار کے نتیجے میں انسان نے چھپائی کا طریقہ ایجاد کیا، طباعت یا چھاپہ خانے کی ایجادکا سہرا چین کے سر ہے، اس کے بعد جرمنی کا نمبر آتاہے، چھاپہ خانوں کی ایجاد کے بعد انسان نے خبروں کی اشاعت کی ضرورت محسوس کی اور یوں صحافت کا آغازہوا، ڈاکٹر عبدالسلام خورشیداپنی کتاب داستان صحافت میں لکھتے ہیں:

’اصل معنوں میں دنیا کا پہلا اخبار "رائی پاؤ" یعنی محل کی خبریں تھا جو ایک ہزار سال پہلے چین سے نکالا گیا اور 1911ء تک "پیکسن گزٹ" کے نام سے شائع ہوتا رہا۔‘ (خورشید،عبدالسلام، صفحہ نمبر12)۔

یورپ میں صحافت کا آغازکب اور کیسے ہوا، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، داستان صحافت میں لکھتے ہیں:

’یورپ کا پہلا باقاعدہ اخبار جرمنی کے شہر آگسی برگ سے1609ء میں شائع ہوا اس کے بعد فرینکفرٹ، میونخ اور ہمبرگ وغیرہ سے متعدد اخبارات شائع ہونا شروع ہوگئے، فرانس کا پہلا اخبارگزٹا کے نام سے 1631ء میں شائع ہوا، برطانیہ میں صحافت کا باقاعدہ آغاز1641ء میں ہوا، انگلستان کا پہلا روزنامہ 1712ء میں الزبتھ میلٹ نے جاری کیا، اٹلی کا پہلا اخبار1646ء میں چھپا، بیلجیئم کا پہلا اخبار1615ء میں جاری ہوا، سوئٹزر لینڈ کا پہلا اخبار 1610ء میں باسل کے شہر سے نکلا، امریکہ میں لندن کے ایک کتب فروش نے 1690ء میں پہلا ماہنامہ جاری کیا جو اشاعت کے چوتھے روز ہی حکومت نے بند کر دیا، جس کے بعد 1704ء میں جان گیمل نامی شخص نے حکومت سے باقاعدہ اجازت لے کر"بوسٹن نیوز لیٹر"جاری کیا جو امریکہ کا پہلا اخبارشمار کیا جاتاہے،، مشرقی یورپ میں پہلا روسی جریدہ 1703ء میں جاری ہوا، لیکن زار شاہی کی سخت پابندیوں کے باعث نشوونما حاصل نہ کر سکا۔‘ (خورشید،عبدالسلام،صفحہ نمبر12)۔

برصغیر میں صحافت کا آغاز

برصغیر میں صحافت کا باقاعدہ آغازاٹھارہویں صدی عیسوی میں ہوا لیکن کہا جاتا ہے کہ سولہویں صدی سے اس خطے میں خبروں کی ترسیل کا نظام موجود تھا، موسیٰ خان جلالزئی اپنی کتاب"صحافت" میں لکھتے ہیں:

‘مغلوں نے اپنی سلطنت کے اہم مقامات پر خبر نگار (جنہیں وقائع نگار کہاجا سکتا ہے) مامور کر رکھے تھے، جو بڑی باقاعدگی سے اپنے اپنے علاقے کے اہم حالات وواقعات کی روداد شاہی دربارکو ارسال کیا کرتے تھے، ان واقع نویسوں، خبرنگاروں کی رپورٹوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔’ (جلالزئی، موسیٰ خان ، صفحہ نمبر19)۔

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اپنی کتاب“داستان صحافت”میں لکھتے ہیں:

‘برصغیر میں انگریزوں نے پہلا چھاپہ خانہ 1774 ء میں بمبئی میں قائم کیا، اٹھارہویں صدی کے آخرمیں مدراس اور کلکتے میں چھاپہ خانے بنائے، چند سالوں کے اندر اندر فارسی اور بنگالی ٹائپ کی چھپائی بھی شروع ہو گئی، برصغیر کا پہلا مطبوعہ اخبار“ہکی گزٹ” تھا جسے 1780ء میں ایک شخص “یمز آکس ہکی”نے کلکتہ سے جاری کیا۔’ (خورشید،عبدالسلام، صفحہ نمبر65)۔

پروفیسر عبدالسلام خورشید “داستان صحافت”میں لکھتے ہیں:

‘ہکی برصغیر میں صحافت کا باوا آدم تھا لیکن سچ پوچھئے تو وہ کوئی اچھا اخبار نویس نہیں تھا کیوں کہ وہ مخالفین کے خلاف جھوٹی خبریں اور جھوٹے الزامات بھی چھاپتا تھا، بحرحال ایک بات اپنی جگہ پر قائم ہے کہ وہ پہلاشخص تھا جس نے اخبار نکالا اور اس کے بعدبہت سے اخبار نکل آئے، بعض اخبارات نے حکومت کی حمایت کی اور بعض نے مخالفت۔’(خورشید،عبدالسلام، صفحہ نمبر66)۔

فلم اورتھیٹر کا آغاز

یہ1824ء کا زمانہ تھا جب پیٹر روگیٹ نامی شخص نے فلم کے بارے میں ایک نظریہ پیش کیا، جسے استقرار بصارت کہاجاتاہے، اسی نظریے کے نتیجے میں تصاویر میں حرکت کے سفر کا آغاز ہوا، اس حوالے سے دنیا بھر میں تجربات کیے گئے انہی ابتدائی تجربات میں کیلی فورنیا میں1878ء میں ایک دوڑتے ہوئے گھوڑے کی حرکت کو سادہ سے کیمرے کی ابتدائی شکل میں محفوظ کیا گیا، یہ ابتدائی تصویری خاکے پردے پر دکھانے کا آغازامیلی ریناؤڈ نے 1880ء میں کیا،ریناؤڈ نے اس آلے کو ایک کمرے میں نصب کیا اور وہاں نشستوں کا انتظام کر کے ایک پردہ لگا کر پروجیکٹر کی مدد سے ان حرکت کرتی ہوئی تصاویر کو پردے پر منتقل کیا اور یوں اس نے اس کمرے کو تھیٹر کی شکل دی اور اس تھیٹر کی فیس بھی مقرر کر دی، کیمرے کے ذریعے حرکت کرتی ہوئی تصویربنانے کاسہرا ای جولیس میرے کےسر ہے۔(عامر، ثروت حسنین 2004ء)حرکت کرتی ہوئی فلموں پر تجربات کا سلسلہ تیزی سے شروع ہو چکا تھا جس کے نتیجے میں حرکت کرتی ہوئی تصاویراور مناظر کو محفوظ کرنے کا راستہ کھل گیا،تھامس ایڈیشن اور اس کے نائب ڈکسن نے مل کر ایک مشین ایجاد کی جس کا نام کنیٹو اسکوپ تھا، 1896ء میں کنیٹو اسکوپ میں تبدیلی لا کر ویٹا اسکوپ بنائی گئی، ابتدامیں اس مشین کے ذریعے ایک مختصر سی فلم بنائی گئی، اس فلم کو پہلی بار 23 اپریل 1896ء کو امریکہ میں دکھایا گیا، اس حوالے سے منعقد کیے جانے والے پروگرام کا پہلا حصہ گانوں پر مشتمل تھا اور دوسرے حصے میں ایک پردے پر تصاویر حرکت کرتی ہوئی نظر آئیں، سب سے پہلے چھتری والا رقص پیش کیا گیا اور پھر لہروں کے ٹکرانے کے منظر نے دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا، مکے مارنے کا ایک مزاحیہ مقابلہ بھی اس فلم میں شامل تھا،(عامر، ثروت حسنین 2004 ء)اس طرح سے فلموں کا آغاز ہوا، ابتدا میں فلمیں خاموش ہوتی تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ خاموش فلمیں کبھی بھی مکمل خاموش نہیں تھیں، فلم کے ساتھ مختلف قسم کی آوازیں پیدا کی جاتی تھیں تاکہ ان میں فلم بینوں کی دلچسپی برقرار رہے، فلموں میں تصاویر اور آواز کو یکجا کرنے کے تجربات تو 1880ء کی دہائی سے شروع ہو چکے تھے لیکن فلموں میں آواز کا باقاعدہ آغاز 1920ء میں ہوا، وارنر نے“دی جازسنگر”کے نام سے فلم پیش کی، اس میں ال جولسن نے گانا گایا اور وہ پردے پر مکالمے بولتا ہوا بھی نظر آیا،یہ پوری فلم محض 354الفاظ پر مشتمل تھی مگر یہ فلم بڑی کامیاب رہی،یہ سلسلہ شروع ہوا تو اس میں تیزی سے ترقی ہوتی چلی گئی اور 1930ء تک فلمی دنیا میں حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہو گئیں۔(عامر، ثروت حسنین2004ء)۔

برصغیر میں فلم اور فلمی صحافت کا آغاز

‘ہندوستان میں فلم متعارف کرانے کا سہرا لومیئر برادران کے سر ہے’۔ (تلخ، منموہن)۔

لومیئر برادران نے 7جولائی1896 ء کو بمبئی کے واٹسن ہوٹل میں اپنی مختصر فلموں کی نمائش کی، اس مقصد کے لیے انہوں نے ہندوستان کے اخبارات و رسائل میں اشتہارات شائع کرائے، پہلا اشتہار اس وقت کے بمبئی کے سب سے بڑے اخبار "انڈیا ٹائمز" میں شائع ہوا، اس اشتہار کا متن کچھ یوں تھا۔

صدی کا حیرت انگیز منظر

دنیا کا بڑا عجوبہ

متحرک تصاویر کی مدد سے زندگی کی کہانی

منجانب لومیئر برادران

یہ اشتہار شائع ہوا ہی تھا کہ ہندوستان کے طول وعرض میں دنیا کےاس بڑے عجوبے کے چرچے ہونے لگے، لوگوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ ساکت تصویروں میں حرکت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے،یہ فلم کی ابتدا تھی اوریہ خاموش فلموں کا زمانہ تھا،ہندوستان کی پہلی خاموش فلم 1913ء میں بنی، بمبئی میں بنائی جانے والی اس فلم کے تخلیق کار "دادا صاحب پھالکے"تھے، آواز کے ساتھ فلموں کا آغاز کچھ عرصہ بعد ہوا، ہندوستان میں پہلی بولتی فلم بنانے کا سہرا ارد شیر ایرانی کے سر ہے، انہوں نے پہلی بولتی فلم"عالم آرا" 1931ء میں بنائی، برصغیر میں جیسے جیسے فلمیں بننا شروع ہوئیں ان کی تشہیر کی ضرورت محسوس کی گئی، فلم بین اپنی پسندیدہ فلموں اور فن کاروں کے بارے میں جاننے کی جستجو کرنے لگے اور فلم بینوں کی یہی ضرورت فلمی جرائد کے اجرا کا موجب ثابت ہوئی، کلکتہ، بمبئی، مدراس اور لاہور اس زمانے میں فلمی مرکز بنے تو ان شہروں سے کئی جرائد کا بھی آغاز ہوا، ہندوستان کا پہلا فلمی رسالہ"فلم انڈیا"کے نام سے بمبئی سے جاری ہوا۔

فلم انڈیا

فلم انڈیا کے نام سے جاری ہونے والے رسالے کو ہندوستان سے شائع ہونے والا پہلا باقاعدہ انگریزی فلمی رسالہ تسلیم کیا جاتا ہے، اس کے ایڈیٹر بابو راؤ پٹیل تھے اور یہ رسالہ1930 ء میں جاری ہوا،(کجری جین) ۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں نکالا جانے والا پہلا فلمی رسالہ گجراتی زبان کا ایک فلمی رسالہ تھا جس کا نام "موج ماجہ" تھا اور یہ رسالہ 1924 میں جے کے دیودی نے نکالا تھا۔ (ٹی ایم راماچندران ایس رکمنی)۔

اردو کا پہلا فلمی رسالہ

اردو کا پہلا فلمی رسالہ "شبستان"تھا، اس کے بعد"اداکار"۔ "پارس" اور "گرو گھنٹال" جاری ہوئے،مشہور ہدایت کار خالد خورشید جن کا ابتدائی نام کرشن کمار بھاٹیہ تھا، انہوں نے 1933ء میں انگریزی رسالہ "فلم کریٹک" نکالا، اسی سال ڈی پی بیری نے انگریزی رسالہ "پکچر پلے" جاری کیا۔ برصغیر کی تقسیم سے پہلے جس رسالے نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی، وہ ہفت روزہ"چترا" تھا، اس کا اجرا 1934ء میں ہوا، اس کے مدیر دین دیال بھاٹیہ اور منیجنگ ایڈیٹر دھرم ویر تھے، دھرم ویر اپنے رسالے کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

'چترا دراصل 1934ء میں ماہنامے کے طور پر شروع کیا گیا، ایک دو شمارے نکلے کہ آنجہانی کے ایل سہلگا کی فلم "دیوداس" لاہور میں ریلیز ہوئی، میں نے وہ فلم اتنی بار دیکھی کہ اس کے مکالمے ازبر ہو گئے، میں نے "چترا" کے اگلے ہی شمارے میں "دیوداس" کے مکالمے شائع کر دیے، شمارہ بازارمیں ہاتھوں ہاتھ بک گیا اور فیصلہ ہوا کہ"چترا" کو ہفتہ وار کر دیا جائے۔' (گوریجہ، یاسین، صفحہ نمبر 63)۔

لاہور سے بولتی فلموں کا آغاز اور فلمی صحافت

لاہور سے بولتی فلموں کا آغاز1932ء میں ہوا اور پہلی فلم "ہیر رانجھا" تھی،(گوریجہ،یاسین، صفحہ نمبر 63)بولتی فلموں کے آغاز کے ساتھ ہی بی آر چوپڑا نے انگریزی میں ماہنامہ"سنے ہیرالڈ" جاری کیا، اس رسالے کا اجرا 1936ء میں ہوا، اسی سال بشیر ہندی نے ماہنامہ"فلمستان" جاری کیا، 1936ء میں ہی لالہ کرم چند نے "پارس" کے نام سے رسالہ نکالا، یہ ہفت روزہ تھا اور بہت جلد شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ (گوریجہ، یاسین، صفحہ نمبر 427)۔

پاکستان میں فلم اور فلمی صحافت کا آغاز اور ارتقاء

1947ء میں برصغیر کی تقسیم سے پہلے لاہور کو فلمی صنعت کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی، بمبئی اور کلکتہ میں بھی کئی اسٹوڈیو قائم تھے،معروف محقق حسنین جمیل کے مطابق:

‘تقسیم سے پہلے لاہور میں 6 فلم اسٹوڈیو اور 22سینما گھر تھے جبکہ 18 فلمی میگزین نکلا کرتے تھے۔’

زیادہ تر فلم اسٹوڈیو اور فلمی میگزین کے مالکان ہندو تھے، تقسیم ہندوستا ن کے بعدوہ یہاں سے نقل مکانی کر کے بھارت جا بسے، 1947ء میں لاہور میں جس پہلی فلم کی شوٹنگ شروع کی گئی اس کا نام“دوکنارے” تھا،معروف فلمی صحافی یاسین گوریجہ کے مطابق اس فلم کی شوٹنگ لاہور کے پردھان اسٹوڈیو میں شروع ہوئی اور شوٹنگ کا آغاز نومبر 1947ء میں کیا گیا تھالیکن سب سے پہلے پاکستان میں جو فلم ریلیز ہوئی وہ “تیری یاد” تھی،یہ فلم 1948ء میں بنائی گئی اور اسے پاکستان کی پہلی فلم ہونے کا اعزاز حاصل ہے،معروف دستاویزی فلم پروڈیوسر مشتاق گذدر اس فلم کے بارے میں کہتے ہیں:

‘پاکستان کی پہلی فلم“تیری یاد”جو 7ستمبر 1948ء کو ریلیز کی گئی تھی، ریلیز کے محض چند روز بعد ہی 11ستمبر کو شدیددھچکے سے دوچار ہوئی جب بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کا انتقال ہو گیا اور اس صدمے نے پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا، یوں یہ فلم ناکامیوں کے اندھیروں میں گم ہوکر رہ گئی۔’

آزادی کا ہنگامہ ختم ہوا تواخبارات اور جرائد کے موضوعات بھی تبدیل ہونے لگے، حالات کچھ بہتر ہوئے تویہاں سے کئی نئے جرائد کا اجرا کیا گیا،یاسین گوریجہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

‘لاہور سے عیسیٰ غزنوی نے“فلم لائٹ” دوبارہ نکالا، رفیق چمن نے لاہور سے روزنامہ“مسلم” کا اجرا کیا، ویکلی اداکار کچھ وقفے کے بعد اسی طرح شائع ہونے لگا،“مووی فلیش”نے بھی اپنی اشاعت برقرار رکھی، البتہ نئے پرچوں کے لیے لوگوں نے تگ ودو شروع کر دی، لاہور میں ابتدائی دور میں جن افراد نے فلمی پرچے نکالے ان میں طفیل ہوشیارپوری نے“محفل”نکالا، لاہور میں یہ پہلا پرچہ تھا جو کراچی کے نگار کی دیکھا دیکھی اخبار سائز پرنکالاگیا، اس کے بعد خواجہ خادم حسین نے“ تیرونشتر” ہفت روزہ اسی سائز میں نکالا، یاسین گوریجہ نے پندرہ روزہ“ رم جھم ”جاری کیا، ایم شفاعت نے ہفت روزہ“ اجالا”، ساغر صدیقی نے ہفت روزہ“ تصویر”، غازی صاحب نے“ گل وخار”نکالا، اسی طرح فلم ایشیا بہت خوبصورت انداز میں نکالا گیا جس کے ایڈیٹر ظہیر احمد نقش تھے، نوائے وطن برصغیر کے نامور فلم نگار نصر عربین نے نکالا، شباب کیرانوی نے ماہنامہ “ڈائریکٹر” رشید جاوید نےہفت روزہ“ ممتاز”، پندرہ روزہ “رقص و سرور”، طاہر میر نے “عکاس”، امین شرقپوری کا“ شمع”، ہفت روزہ“ سحر”، ہفت روزہ“ چنگاری”، ماہنامہ “پکچر” وغیرہ ایسے پرچے تھے جنہیں ہم 1950 ء سے 1970ء کے بیس سالہ دور کے پرچے کہہ سکتے ہیں،1961ء میں ایوب خان نے پریس آرڈیننس جاری کیا تو اس کی زدمیں کئی پرچے آ گئے، اس کے بعد جن پرچوں نے اپنی اشاعت برقرار رکھی ان میں ماہنامہ“ڈائریکٹر”(چوہدری فضل حق کی ملکیت تھا اور اس کے ایڈیٹر طفیل اختر تھے) اسی طرح ماہنامہ پکچر (شباب کیرانوای)، غفور بٹ کا“ اسکرین لائٹ” شامل تھا، باقی پرچے بند ہو گئے۔(گوریجہ، یاسین، صفحہ نمبر 2)۔

پاکستان کے اخبارات میں بھی آزادی کے بعد فلمی صفحات کا آغاز ہوا، اخبارات میں فلمی صفحہ شروع ہونے کی کہانی معروف صحافی علی سفیان آفاقی اپنی کتاب میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

‘ایک دن دفتر گئے تو پتہ چلامیر صاحب ہمیں کئی بار یادکرچکے ہیں، جب ہم میر نور احمد صاحب کے دفتر پہنچے تو وہاں مقامی ایجنٹ کے علاوہ ایک دو اور اصحاب بھی موجود تھے،تجویز یہ تھی کہ اخبار میں باقاعدگی سے ہر ہفتے فلمی خبریں اور تصویریں شائع کی جائیں، ایجنٹ اور سرکولیشن شعبہ کا خیال تھا کہ اس سے اخبار کی اشاعت میں خاصا اضافہ ہو سکتا ہے، ہماری رائے دریافت کی گئی توہم نے بھی اس کے حق میں رائے دی، اب سوال یہ تھا کہ فلمی حصہ مرتب کون کرے گا؟ ایجنٹ صاحب نے فرمایا، آفاقی صاحب کے سوا کون کر سکتا ہے؟ اللہ کے فضل سے انہیں فلموں کا کافی پتا ہے، اب سب کی نگاہیں ہماری طرف مرکوز ہو گئیں، ہم نے کہا کہ ہم تو تیار ہیں مگر اس کے لیے ہمیں فلم والوں سے ملنا بھی پڑے گا اور اسٹوڈیو بھی جانا پڑے گا، مطالبہ معقول تھا اس لیے فوراً تسلیم کر لیا گیا اجازت ملنے کے بعد ہم نے فلمی صفحے کی تیاری شروع کر دی، فلم ہماری دلچسپی اور کمزوری تو ہمیشہ سے ہی تھی مگر پچھلے چند دنوں میں فلمی جراثیم ہم پر پوری طرح حملہ آور ہو چکے تھے، ہمارے دل میں پاکستان کی نوزائیدہ فلمی صنعت کے لیے ایک محبت اور وابستگی پیدا ہو چکی تھی۔’ (آفاقی، علی سفیان)۔

روزنامہ آفاق کے بعد دوسرے اخبارات جن میں روزنامہ جنگ اور روزنامہ نوائے وقت شامل ہیں نے فلمی صفحات چھاپنے شروع کر دیے اور یوں فلم انڈسٹری کے بارے میں بڑی آسانی کے ساتھ معلومات پہنچنے لگیں، اسی زمانے میں امروز نے

بھی فلمی صفحہ شروع کیا جس کے انچارج مسعود اشعر تھے اور پاکستان ٹائمز میں یہ ذمہ داری آئی اے رحمان نے نبھائی۔ (نثار، حسن، روزنامہ جنگ)۔

ہفت روزہ نگار کاآغازاور فلمی صنعت کی ترقی میں کردار

الیاس رشیدی نے1949ء میں اپنے ایک دوست ابن حسن نگار سے جو کراچی سے بچوں کا رسالہ"نگار"نکالتے تھے، سے اجازت لے کر نگار کے نام سے فلمی اخبار کا اجرا کیا،انہوں نے کراچی کے ایک نیوز ایجنٹ سے 200 روپے ادھار لے کر"نگار"کا پہلا شمارہ نکالا، اس شمارے کی قیمت 2 آنے تھی، ابتدا میں نگار کا کوئی دفتر نہیں تھا، الیاس رشیدی سائیکل پر ہی ایک بینڈ بیگ میں سامان لیے گھومتے تھے اور ایک ایرانی کے ہوٹل میں بیٹھ کر اس اخبار کی تیاری کرتے تھے، اخبار کچھ سنبھلنے لگا تو دوستوں نے ان پر زور دیا کہ اس کا باقاعدہ دفتر ہونا چاہیے، چنانچہ گلشن ٹیرس بندرروڈ پرفلمی اخبار"نگار" کا پہلا دفتر قائم کیا گیا، یہ دفتر 1952 سے 1953 تک قائم رہا،1953ء میں نگار کا دفتر یہاں سے وحیدمنزل رتن تلاؤ منتقل کر دیا گیا اور 1957ء تک یہاں دفتر قائم رہا، 1957ء میں نگار کا دفتر رٹز سینما بندر روڈ کے قریب منتقل کر دیا گیا جہاں یہ1963ء تک قائم رہا، 1963 ء میں نگار کا دفتر وکٹوریہ مینشن عبداللہ ہارون روڈ منتقل کر دیا گیا جہاں اب تک یہ دفتر قائم ہے۔

الیاس رشیدی نے نگار کی ابتدا ایک ہزار پرچوں سے کی تھی لیکن آہستہ آہستہ سرکولیشن میں اضافہ ہوتا چلا گیا، ابتدا میں نگار دو رنگوں میں چھاپا جاتا تھا جن میں لال اورپیلا رنگ شامل تھے، آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے اشتہارات بھی ملنے لگے، اشتہارات کا ریٹ اس زمانے میں آٹھ آنے انچ تھا اور تین آنے سینٹی میٹر تھا، نگار کے اخراجات بھی کم تھے، طباعت پر بھی زیادہ لاگت نہیں آتی تھی اس لیے تھوڑی سرکولیشن کے باوجود اخبار منافع کمانے لگا،نگار کی ایک خوبی یہ ہے کہ حالات کیسے ہی کیوں ہوں، اس کی اشاعت میں کسی قسم کا تعطل نہیں آیا، بقول معروف صحافی سعید امرت:

'نگار نے پابندی وقت کا ریکارڈ قائم کیا ایک اعلیٰ معیار کے ویکلی میں جو کچھ ہوتا ہے وہ نگار نے دیا، نگار نے فلمی صنعت کی ترقی کے لیے بھرپور کردار ادا کیا، فلم سازوں کے مسائل حل کرائے، فلموں کی فروخت میں دشواری کے لیے فلم ساز الیاس رشیدی صاحب کو ایک طے شدہ حل سمجھتے تھے اور ایسا بارہا ہوا کہ الیاس صاحب کے درمیان میں آجانے سے فلم کی فروخت آسان ہو گئی بلکہ قیمت کا مسئلہ بھی دونوں فریقوں کے درمیان عمدگی سے طے پایا۔' (امرت، سعیدء صفحہ 24)۔

' ہفت روزہ نگار وہ اخبار تھا جس انے اپنی اشاعت کے تھوڑے ہی عرصے میں فلمی حلقوں میں جگہ بنا لی، قارئین ہفت روزہ نگار کا شدت کے ساتھ انتظار کیا کرتے تھے اور فلمی حلقوں کو اس صورتحال کا بخوبی اندازہ تھااس لیے نگار کو فلمی حلقوں میں بہت اہمیت دی جاتی تھی اور ہر فنکار کی خواہش ہوتی تھی کہ اس کے بارے میں اچھی خبر نگار میں شائع ہو۔ معروف فلمی صحافی اور ادیب علی سفیان آفاقی لکھتے ہیں:

'اس زمانے میں نگار کی طرز کے کئی فلمی ہفت روزے جاری ہوئے،انگریزی کے فلمی میگزین بھی نکالے گئے مگر جو اہمیت الیاس بھائی اور نگار کو حاصل تھی وہ کسی اور کے حصے میں نہ آ سکی۔' (آفاقی، علی سفیان، صفحہ 31)۔

ہفت روزہ نگار کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس نے اپنی اشاعت سے لے کر اب تک کبھی فحش مواد شائع نہیں کیا، ہمیشہ اپنی ثقافت اور اپنے کلچر کا پرچار کیا اور کوئی ایسی چیز کبھی شائع نہیں کی کہ جس سے یہ تاثر ملے کہ یہ اخبار صرف اپنی اشاعت بڑھانے کے لیے ایسا کر رہا ہے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے کسی کی پگڑی اچھالی ہو اور خاص طورپر کبھی کسی سے ذاتی رنجش کی بنا کر اپنے اخبار کو استعمال نہیں کیا، یہی و جہ ہے کہ نگار فلمی اخبار ہونے کے باوجود ایک فیملی پرچے کے طور پر اپنی شناخت برقرار رکھنے میں کامیاب رہا،فلمی تنقید نگار ابراہیم شہزاد لکھتے ہیں:

'میں 1980 ء سے اس پرچے کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتا رہا ہوں، ہمیشہ بہت اچھا اخبارپایا،اس میں فحش قسم کی کوئی تصویر بھی چھپتے نہیں دیکھی اور نہ ہی اس اخبار نے کبھی عریانیت کا سہارا لیا، اس لیے میں یہ بات دعوے سے کہتا ہوں کہ اس اخبار کو ہم اپنی فیملی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔'شہزاد،محمد ابراہیم، صفحہ395)۔

ہفت روزہ نگار نے تمام تر مشکل حالات کا سامنا کیا لیکن اپنے بنیادی اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا،یہی وجہ ہے کہ اسے قارئین اور فلمی صنعت کا بھرپور اعتماد ملا اور نگار نے بھی کبھی اس اعتماد کو نہیں توڑا، اس سے انکار نہیں

کیا جا سکتا کہ پاکستان میں ہمیشہ سے بھارتی فلموں کی اہمیت رہی ہے اور ایک بڑا طبقہ ان فلموں کو پسند کرتارہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اخبارات اور جرائد نے بھی بھارتی فلموں سے متعلق مواد چھاپنا اپنی مجبوری سمجھا، نگار نے بھی کبھی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا لیکن ہمیشہ اس بات کی حوصلہ افزائی کی کہ پاکستان کی فلم انڈسٹری کو پروان چڑھایا جائے جب بھی کبھی بھارتی فلموں کے خلاف کوئی تحریک چلی نگار فلمی صنعت کے لوگوں کے شانہ بشانہ کھڑا رہا،تجزیہ کار اور فلمی مضمون نگار عنایت علی ندیم کہتے ہیں:

‘1949ء میں شروع ہونے والا نگارپاکستان کی فلمی صنعت کا سب سے بڑا سپورٹر تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب پاکستان میں بھارتی فلمیں کھلے عام چلتی تھیں لیکن نگار نے ان کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی، نگار کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے ہمیشہ یہ پالیسی اپنائی کہ پاکستان کی فلمی صنعت کو پروان چڑھایا جائے اور اس مقصد کے لیے نگار نے ہرممکن کوشش کی۔’ (ندیم،عنایت علی، صفحہ 399)۔

ہفت روزہ نگار عوام کا پسندیدہ اخبار تو تھا ہی اس نے فلمی حلقوں کے لوگوں کی رہنمائی کاکام بھی انجام دیا، نگار نے فلمی صنعت کی کئی حوالوں سے خدمت کی، کئی ایسے لوگ بھی ہیں جن کے لیے نگار نے اکیڈمی کا کام کیا، انہی میں معروف اداکار اور ہدایت کار جاوید شیخ بھی شامل ہیں، نگار کو دیے گئے ایک انٹرویو میں وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ نگار پڑھ کر ہی وہ فنکار بنے:

‘نگار میرے لیے ایک اکیڈمی ہے، میں نگار اخبار پڑھ کر ہی ادکار بنا، یہ غالباً1960ء کی بات ہے، جب میں نے نگار اخبار کا باقاعدگی سے مطالعہ شروع کیا، اس وقت فلمی اخبار تو اور بھی تھے لیکن چونکہ نگار اخبار "نگار ایوارڈ" کے ذریعے فنکاروں کی حوصلہ افزائی کرتاتھا، اس لیے میں اس کا باقاعدہ قاری بن گیا، میں جاوید اقبال کے نام سے اس کے مقابلوں میں بھی حصہ لیتا تھا۔’ (شیخ،جاوید، صفحہ 422)۔

ہفت روزہ نگار نے اپنے اداریوں کے ذریعے فلمی صنعت کے لوگوں پر زور دیا کہ وہ اپنی فلموں میں اپنے کلچر کی نمائندگی کریں، وہ چربہ سازی اور نقالی سے دور رہیں کیوں کہ چربہ سازی اور نقالی صلاحیتوں کو زنگ لگا دیتی ہے اور تخلیقی صلاحیتیں آہستہ آہستہ ختم ہوتی چلی جاتی ہیں، ہفت روزہ نگار نے اداکاروں کو فلم بینوں میں متعارف کرایا، فلموں کی تشہیر کی،فلمی صنعت کے لوگوں کی بھرپور حوصلہ افزائی کی اور رہنمائی کی۔

بابائے فلمی صحافت الیاس رشیدی کا تعارف

الیاس رشیدی دہلی کے ایک کاروباری گھرانے میں 14مارچ 1928ء کوپیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام شیخ عبدالصمد اور تعلق پنجابی سوداگربرادری سے تھا،آپ کا خاندان کُشتی والا کہلاتا تھا،آپ کے والد کا انتقال آپ کی پیدا ئش سے پہلے ہی ہو گیا تھا، حاجی شیخ عبدالصمد کے تین بیٹے تھے سب سے بڑے کا نام شیخ عثمان تھا جو بعد میں عثمان آزاد(روزنامہ انجام کے بانی) کے نام سے مشہور ہوئے، دوسرے نمبر پر شیخ عمر تھا جوبعد میں عمر فاروقی(روزنامہ آغاز کے بانی) کے نام سے مشہور ہوئے اور تیسرے شیخ الیاس تھے، جو بعد میں الیاس رشیدی(ہفت روزہ نگار کے بانی) کے نام سے مشہور ہوئے اور پاکستان میں"بابائے فلمی صحافت" کہلائے، بقول زخمی کانپوری:

‘الیاس رشیدی پاکستان کی نصف صدی کی چلتی پھرتی فلمی تاریخ تھے، انہوں نے فلمی صنعت کے لیے بڑا کام کیا، جب بھی فلمی صنعت پر کوئی کڑا وقت آیا تو اپنے قلم سے انہوں نے فلمی صنعت کے لیے جہاد کیا، آپ مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہتے،آپ فلمی صنعت کے لوگوں کو بڑے مفید مشورے دیا کرتے تھے اور ہمیشہ یہی کوشش کرتے کہ کسی نہ کسی طرح پاکستان کی فلمی صنعت ترقی کرے۔’ (کانپوری، زخمی، صفحہ نمبر5)۔

الیاس رشیدی کے ساتھ اپنے زمانے کے نامور لکھاری ہفت روزہ نگار سے وابستہ رہے، ان میں دکھی پریم نگری، ابراہیم جلیس، ابن حسن نگار، سردار علی صابری، بشیر نیاز،حمایت علی شاعر، طفیل احمد، کلیم عثمانی، منیر نیازی، شوکت ہاشمی، موج لکھنوی، ابن انشا، یونس بٹ، زخمی کانپوری، افضل الفت، افضل صدیقی، انور فرہاد، یاسین گوریجہ، علی سفیان آفاقی، دانش دیروی، حمید کاشمیری، رضوان حیدربرنی، اے حمید،یونس ہمدم، صلاح الدین پراچہ اور سعید امرت شامل ہیں، ان کے ساتھ ساتھ جزوقتی لکھنے والوں میں عنایت اللہ الیاس، معروف سیاستدان اشتیاق اظہر، اثرضیائی،غلام کبریا قدسی، اے آر سلوٹ، ظہور احمد نیاز اور ناصر حسین خان (مدیر مووی) بھی شامل ہیں۔

نگار کی جانب سے متعارف کرائی گئی فلمی شخصیات

الیاس رشیدی دوسروں کی مدد کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے، وہ لوگوں کے کام آنا اپنا فرض سمجھتے تھے، فلمی صنعت میں انہوں نے کئی اداکار متعارف کرائے کوئی اپنے کام کی وجہ سے آگے بڑھ گیا اور کوئی پیچھے رہ گیا، الیاس رشیدی نے فلمی صنعت کو کئی نامور نام دیے، جن میں شمیم آرا، اداکارہ وہدایت کارہ سنگیتا(اصل نام پروین)، اداکارہ وہدایت کار اعجاز درانی، اداکارہ آسیہ، گلوکارہ مہناز،گلوکارہ نسیم،اداکارہ رانی (اصل نام ناصرہ)، اداکارہ شبنم (اصل نام جھرنا)، اداکارہ زیبا بیگم(اصل نام شاہین)، اداکارہ ریحانہ،اداکارہ سعود، اداکارہ وگلوکارہ مسرت نذیر وغیرہ شامل ہیں، مشرقی پاکستان کی معروف فلمی اداکارہ شبنم ا ور ان کے شوہر موسیقار رابن گھوش کو مغربی پاکستان میں متعارف کرانے کا سہرا بھی نگار اور الیاس رشیدی کے سر ہے۔

نگار میں ڈبل ورژن فلموں کی مخالفت

ڈبل ورژن فلموں سے مراد ایسی فلمیں ہے جو ایک زبان میں بنائی جاتی ہیں اور پھر انہیں دوسری زبان میں ڈھالا جاتا ہے، شاہکار فلموں کی ڈبنگ میں اگرچہ کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اگر یہ چلن عام ہو جائے اور ہر فلم کی ڈبنگ کی جانے لگے تو پھر تخلیقی عمل رک جاتا ہے اور اگراس عمل کو معمول بنا لیا جائے تو عین ممکن ہے کہ مقامی سطح پر فلموں کی تخلیق ہی رک جائے، ڈبل ورژن فلموں کا معاملہ اگرچہ ہو بہو چربہ سازی تو نہیں تھا لیکن اس سے ملتا جلتا ضرورہے، اس میں وقتی طور پر فلم سازوں کو فائدہ بھی ہوا لیکن اس عمل نے پاکستان کی فلمی صنعت کو بہت نقصان بھی پہنچایا، الیاس رشیدی اسی طرح کی صورتحال کا اپنے اداریے میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'جب سے ڈبل ورژن فلموں کی ابتدا ہوئی ہے، اس دن سے فلمی صنعت دن بدن تباہی کی طرف گامزن دکھائی دیتی ہے، آج سے چند سال قبل ڈبل ورژن فلم"حسینہ 420"تخلیق ہوئی تھی، اتفاق سے اس فلم نے ساٹھ ستر لاکھ روپے کا بزنس بھی کر لیا تھا اس فلم پر زیادہ سے زیادہ لاگت اس دورمیں بیس سے پچیس لاکھ روپے آئی تھی اس فلم کی کامیابی فلمی صنعت کی تباہی کا پیشہ خیمہ ثابت ہوئی، سابقہ دور میں ایک عام فلم پر پندرہ سے بیس لاکھ رروپے تک لاگت آتی تھی، آج کے دورمیں ایک فلم پینتیس سے چالیس لاکھ روپے میں بنتی ہے، جو ایک سینما پر اپنے میرٹ پر مسلسل دس ہفتے بھی نہیں چلتی اور نہ اپنی لاگت نکالتی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو بھی نیا فلم ساز فلمی دنیا میں آتا ہے وہ فلم انڈسٹری کے اندھے کنویں میں دس سے پندرہ لاکھ روپے ڈال کر اپنے گھر کی راہ لیتا ہے، ایسے حالات میں بہتر یہی ہے کہ پنجابی اور اردو میں علیحدہ علیحدہ فلمیں بنائی جائیں اور ڈبل ورژن فلموں سے گریز کیا جائے۔' (رشیدی الیاس، صفحہ نمبر 3)۔

فلم انڈسٹری کے تمام سنجیدہ حلقوں نے ڈبل ورژن فلموں کی مخالفت کی، فلم رائٹر ایسوسی ایشن کے سابق جنرل سیکریٹری رشید ساجدنے اسی طرح کی صورتحال کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ فلمی صنعت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی فلموں کو علاقائی طور پر تقسیم کر دیا ہے، ہم نے اپنی فلموں کے ڈھانچے کچھ ا س انداز سے کھڑے کرنے شروع کر دیے ہیں کہ ہمارے اداکارقومی کے بجائے علاقائی اداکار بنادیئے جاتے ہیں، ایک زمانہ تھا کہ جب ہمارے اداکار خیبر سے چٹاگانگ تک یکساں مقبول ہوا کرتے تھے، سدھیر، محمد علی، زیبا، شمیم آرا، صبیحہ خانم، سنتوش، ندیم، شبنم، یوسف خان، نیئر سلطانہ، رنگیلا، نیلو اور اس دور کے دوسرے اداکاروں کو جو مقبولیت پشار میں حاصل ہوا کرتی تھی وہی رحیم یارخان، چٹاگانگ اور کراچی میں ہوا کرتی تھی، سقوط ڈھاکہ کے بعد جب ہماری ملکی اور کاروباری سرحدیں سمٹ گئیں تو پھر پورے پاکستان میں سلطان راہی، غلام محی الدین، جاوید شیخ، انجمن، آسیہ، نیلی، ریما اور مدیحہ شاہ وغیرہ یکساں مقبول رہے لیکن اب فلمی صنعت کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ محض دولت کمانے کے لیے ڈبل ورژن فلموں کا آغاز کر کے پاکستانی فلمی صنعت کی کمر میں چھراگھونپ دیا گیا ہے، فلموں کے لیے اداکاروں کا انتخاب کچھ اس طرح سے ہونے لگا ہے کہ کراچی میں فلاں اداکار پسند کیاجاتا ہے، پشاور میں فلاں اداکار پسند کیاجاتا ہے، پنجاب اور بلوچستان میں فلاں فلاں پسند کیا جاتا ہے، یوں ہم نے فلم کے بجائے ایک ملغوبہ تیار کر کے اسکرین پر پھینکنا شروع کر دیا جس سے لوگ آہستہ آہستہ پاکستان فلموں سے متنفر ہونا شروع ہو گئے، (رشید، ماجد، صفحہ نمبر 3)۔

الیاس رشیدی ڈبل ورژن فلموں کے رواج کو پاکستان فلم انڈسٹری کے لیے بلندی سے پستی کی طرف سفر سے تعبیر کرتے تھے،15جولائی 1994ء کو اپنے اداریے میں الیاس رشیدی لکھتے ہیں:

‘پاکستان کی فلم انڈسٹری میں ایک وقت وہ بھی تھا جب مغربی پاکستان کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستان میں بھی اردو فلمیں بننا شروع ہو گئی تھیں، مغربی پاکستان میں فلم ساز ابتدا میں صرف اردو فلمیں بنایا کرتے تھے، پھر آہستہ آہستہ انہوں نے پنجابی فلمیں بھی بنانا شروع کر دیں چنانچہ دونوں زبانوں کی فلمیں ترقی کے مدارج طے کرنے لگیں، پھر ایک ایسی منحوس گھڑی آئی کہ ایک فلم ساز نے اردو اور پنجابی زبانوں میں ڈبل ورژن فلم بنا ڈالی، اتفاق سے یہ فلم بے پناہ کامیاب ہو گئی اس فلم کا کامیاب ہونا تھا کہ ہر فلم ساز بقول شخصے بھیڑ چال چلنے لگا وہ دن اور آج کا دن، اب صورتحال یہ ہے کہ قومی زبان کی اردو فلمیں جو پہلے کبھی سال میں90 کے قریب بنتی تھیں اب ایک درجن بھی تخلیق نہیں ہوتی ہیں،غرض یہ کہ ڈبل ورژن فلموں نے پوری انڈسٹری کو ایک اژدھے کی طرح نگلنا شروع کر دیا ہے، ڈبل ورژن فلمیں دراصل اردو ہیں نہ پنجابی انہیں چوں چوں کا مربہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔’ (رشیدی، الیاس، صفحہ نمبر 3)۔

نگار میں چربہ سازی کے رجحان کی مخالفت

نگار ہمیشہ سے ہی چربہ سازی کے رجحان کا مخالف رہا، الیاس رشیدی کا ماننا تھا کہ چربہ سازی کی وجہ سے صلاحیتوں کو زنگ لگ جاتا اور ترقی کا سفر رک جاتا ہے،پاکستان فلم پروڈیوسر ایسوسی ایشن نے 1994ء میں اپنے کچھ مطالبات کی منظوری کے لیے تحریک چلائی،آپ نے اس تحریک میں پاکستان فلم پروڈیوسر ایسوسی ایشن کی آواز حکام بالاتک پہنچائی لیکن ساتھ میں اپنی بھی تجاویز دیں، پاکستان فلم پروڈیوسر ایسوسی ایشن کا ایک مطالبہ ایسا بھی تھا جو آپ کو پسند نہیں تھا، آپ نے وہ مطالبہ اپنے اخبار کی زینت تو بنایا لیکن اس کی مخالفت بھی کی اور پھر جب حکومت نے پاکستان فلم پروڈیوسر ایسوسی ایشن کے وہ مطالبات تسلیم کر لیے تو آپ نے پھر بھی اس کی مخالفت کی اور 22جولائی1994ء کواپنے اداریے میں لکھا:

‘حکومت کی جانب سے پاکستان فلم پروڈیوسر ایسوسی ایشن کے جو مطالبات منظور کئے گئے ہیں ان میں ایک مطالبہ تو یہ تھا کہ حکومت کوجو پرانی فلمیں دوبارہ سنسر کرنا مقصود ہوں اس کے لیے فلم سازوں سے دوبارہ فیس وصول نہ کی جائے(جو کل ملا کر ساڑھے تین ہزار سے چار ہزار روپے بنتی ہے) دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ نئی فلم کی سنسر کی درخواست کے ساتھ اس امر کا حلف نامہ نہ لیا جائے کہ متعلقہ فلم کا کوئی گانایا حصہ کسی بھارتی فلم یا کسی غیرملکی فلم کا چربہ نہیں ہوگا، جہاں تک پہلے مطالبے کا تعلق ہے اس بارے میں تو ہمیں کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں وہ بالکل جائز بات ہے لیکن فلم پروڈیوسر ایسوسی ایشن کی طرف سے جو دوسرا مطالبہ حکام کے سامنے پیش کیا گیا ہے کہ فلم ساز سے اس بات کا حلف نامہ نہ لیا جائے کہ اس کی فلم میں بھارتی فلم کا کوئی حصہ یا گانا چربہ نہیں ہوگا، اس پر راقم السطور (الیاس رشیدی)کوضرور اعتراض ہے اس کا مطلب یہ ہواکہ فلم پروڈیوسر ایسوسی ایشن چاہتی ہے کہ اسے بھارتی فلموں کی کاپی یا کسی بھی بھارتی فلم کے گانوں کی نقل کرنے کی کھلی اجازت دے دی جائے، اس طرح بھارتی فلموں کے وہ گانے جو ہماری معاشرتی اقدار سے کسی طرح بھی ہم آہنگ نہیں ہیں ہماری فلموں میں شامل ہو جائیں گے اور سنسر بورڈ والے اس پر اعتراض بھی نہیں کر سکیں گے، فلم پروڈیوسر ایسوسی ایشن کا یہ اقدام اپنےارکان کو اس جانب راغب کرنے کے مترادف ہے کہ وہ جس طرح چاہیں بھارتی فلموں کی کاپیاں تیار کریں اور وہاں کی فلموں کے اچھے سے اچھے گانوں کی کاپی کر کے اپنی فلموں میں بلا کسی ڈر اور خوف کے فلم بند کرنا شروع کر دیں شاید فلم پروڈیوسر ایسوسی ایشن کے چیئرمین صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح بھارتی فلموں اور گانوں کی کاپیاں کرنے سے ہماری فلمیں اچھا بزنس کریں گی، اگر وہ ایسا سوچتے ہیں تو یہ ان کی خام خیال ہے۔’(الیاس رشیدی)

فلمی صنعت پر اثر انداز ہونے والے سیا سی و سماجی مسائل کی نشاندہی

ہفت روزہ نگار اور بانی نگار الیاس رشیدی کا سیاست سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا، اس کے باوجود اگر کسی سیاسی یا سماجی مسئلے کا فلم انڈسٹری پر کسی بھی حوالے سے کوئی اثر پڑ رہا ہوتا تھا تو وہ اس پر ضرور قلم اٹھاتے تھے، 9دسمبر 1994ء کو ہفت روزہ“نگا ر” کے اداریے میں وہ ایسے ہی حالات کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

‘دس پندرہ سال قبل تک کراچی کو عروس البلاد سے تشبیہ دی جاتی تھی، عام طور پر کراچی کی بڑی بڑی شاہراہوں پر رات دس گیارہ بجے تک خرید وفروخت اور رات بھر ٹریفک کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ہر پانچ دس منٹ کے بعد بسیں عام لوگوں کی سہولت کے لیے کراچی کے ہر علاقے سے عام طورپر مل جایا کرتی تھیں، کھانے پینے کی دکانیں تو

رات ڈھائی اور تین بجے تک کھلی رہا کرتی تھیں لیکن آج دہشت گردوں کی وجہ سے کراچی کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ اس عظیم شہر میں سرشام ہی دکانیں بند ہوجاتی ہیں اور لوگ جلد از جلد اپنے گھروں کو پہنچنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جو دہشت گردوں کی خوں ریزی کی وجہ سے دس بارہ افراد لقمہ اجل نہ بن جاتے ہوں۔'(رشیدی، الیاس، صفحہ نمبر 3)۔

اپنے اسی اداریے میں وہ آگے چل کر لکھتے ہیں:

'ہمارے اخبار کا تعلق سیاست سے نہیں ہے لیکن چوں کہ ہمارا تعلق کراچی ہی سے ہے اس لیے ہم آنکھیں بند کر کے کراچی کی تباہی نہیں دیکھ سکتے اس لیے ہماری اہلیان کراچی اور خاص طور پرسیاسی ولسانی دھڑوں سے گزارش ہے کہ خدارا آپس میں کشت وخون بند کریں اور حکومت کی پالیسی کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لے کر آپس میں صلح و آشتی کی پالیسی اختیار کریں تاکہ کراچی میں پہلے کی طرح سے امن وامان ہو جائے اور کراچی کے باشندے قتل و غارت گری سے نجات حاصل کر لیں۔' (رشیدی، الیاس، صفحہ نمبر 3)۔

جال ایجی ٹیشن میں ہفت روزہ نگارکا کردار

پاکستان میں بھارتی فلموں کی مانگ بڑھی توپاکستان کی فلم انڈسٹری جو پہلے ہی مشکلات سے دوچار تھی، مزید مسائل کا شکار ہوگئی، اسی دوران فلمی صنعت سے وابستہ لوگوں نے فیصلہ کیا کہ پاکستان میں بھارتی فلموں کی نمائش رکوانے کے لیے تحریک کا آغازکیا جائے،اس تحریک کا آغاز 1954ء میں اس وقت ہوا جب بھارت سے فلم "جال"پاکستان درآمد کی گئی، یہ فلم دراصل مشرقی پاکستان کے لیے مختص بھارتی فلموں کے کوٹے کے تحت مشرقی پاکستان میں درآمد کی گئی لیکن اسے غیرقانونی طور پر مغربی پاکستان لایا گیا، مغربی پاکستان میں بھارتی فلم"جال" کی نمائش کا آغاز ہوتے ہی تحریک شروع ہوئی اور اسی مناسبت سے اسے "جال ایجی ٹیشن"کا نام دیا گیا، اس تحریک کا آغاز تو لاہور سے ہوا لیکن پھر اس کا دائرہ اسلام آباد تک پھیل گیا، فلمی حلقوں نے لاہور سے راولپنڈی تک لانگ مارچ کیا، اس سے پہلے لاہور میں احتجاج کے دوران حکومت سے مطالبہ کیا گیا وہ پاکستان میں بھارتی فلموں کی نمائش پر مکمل پابندی لگا دے، اس احتجاج کے دوران فلم اسٹوڈیو مکمل بند کر دیے گئے اور فلموں کی عکس بندی روک دی گئی،سیاسی حلقوں نے فلم والوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کام شروع کریں یہ معاملہ جلد خوش اسلوبی سے حل کر لیا جائے گا مگر فلم انڈسٹری سے وابستہ لوگ ڈٹ گئے، احتجاج کرنے والے نہ مانے تو گرفتاریوں کا آغاز ہوا اور یوں کئی لوگوں کو جیل کی ہوا کھانی پڑی، اس دوران ہفت روزہ نگار نے فلمی صنعت سے وابستہ لوگوں کا بھرپور ساتھ دیا نہ صرف جال ایجی ٹیشن کو زبردست کوریج دی، اس دوران ہفت روزہ نگار میں اداکار سنتوش کمار، سدھیر، علاؤالدین، اسلم پرویز، غلام محمد، ایم اسماعیل، ہمالیہ والا اور دیگر فلمسازوں اور ہدایت کاروں جن میں عطااللہ ہاشمی، شوکت حسین رضوی، انورکمال پاشا، نذیر احمد اور لقمان صاحب وغیرہ شامل تھے کی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگی تصاویر شائع کیں۔

جال ایجی ٹیشن کے دوران بھارتی فلم"نورجہاں"پاکستان میں ریلیز ہوئی تو اس کے تقسیم کار نے " ہفت روزہ نگار" میں اشتہار دینے کی کوشش کی لیکن الیاس رشیدی نے اشتہار چھاپنے سے صاف انکار کر دیا، فلم ساز اور تقسیم کار نے بہت کوشش کی اور بھاری رقم کی پیشکش کی لیکن الیاس رشیدی نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ وہ پاکستان میں بھارتی فلموں کی نمائش کے خلاف تحریک میں شامل ہیں اس لیے وہ کسی صورت فلم کا اشتہار اپنے اخبار میں نہیں چھاپیں گے۔"جال ایجی ٹیشن" کے نتیجے میں پاکستان میں بھارتی فلموں پر پابندی لگا دی گئی لیکن 1965ءتک پرانی فلموں کی نمائش جاری رہی،1965ء میں پاک بھارت جنگ شروع ہوئی تو بھارتی فلموں کی نمائش پر مکمل پابندی لگ گئی،بابائے فلمی صحافت الیاس رشیدی جال ایجی ٹیشن کی یادیں تازہ کرتے ہوئے اپنے ایک اداریے میں لکھتے ہیں:

'جب پاکستان کی فلمی صنعت ترقی کرنے لگی تواس دور کے فلم سازوں اور ہدایت کاروں نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ پاکستان کی فلم انڈسٹری کو بام عروج پر پہنچا کر دم لیں گے اور اس سلسلے میں ضروری تھا کہ پاکستان میں بھارتی فلموں کی نمائش پر پابندی لگوائی جائے، چنانچہ جال ایجی ٹیشن میں پاکستان کی فلمی صنعت سے وابستہ افراد جن میں فلم ساز، ہدایت کار، اداکار، تقسیم کار اور تیکنیکی عملہ شامل تھا سب نے مل کراحتجاج کیا اور جلوس نکالے، اس تحریک کے دوران کئی لوگوں نے گرفتاریاں بھی پیش کیں،آخر کار حکومت مجبور ہو گئی اور بھارتی فلموں کی نمائش پر پابندی عائد

Pakistan journal of media Sciences (PJMS), Vol.4, Issue: No2. (2023), pp. ...-...
P-ISSN: *2709-5401*, E-ISSN: *2709-5401*

کر دی گئی، یوں سینما گھروں میں صرف پاکستانی فلموں کی نمائش ہونے لگی اور فنکاروں کی ڈیمانڈ بڑھ گئی۔'رشیدی، الیاس، صفحہ نمبر 3)۔

نگار ایوارڈ کا اجرا اور اس کی اہمیت

بانی نگار الیاس رشیدی نے1957ء میں فلمی صنعت کے لیے "نگار ایوارڈ"متعارف کرایا، نگارایوارڈ متعارف کرانا بلاشہ آپ کا بڑا کارنامہ ہے، 1957ء میں شروع ہونے والے نگار ایوارڈ کا سلسلہ 2002ء تک بغیر کسی تعطل کے جاری رہا، الیاس رشیدی کی زندگی میں نگار ایوارڈز کی 39 تقریبات ہوئیں، آپ نے تمام تقریبات کا بھرپور اہتمام کیا، الیاس رشیدی کے "نگار ایوارڈ" متعارف کرانے کے فیصلے نے فلمی صنعت میں انقلاب برپا کر دیا، اسے پاکستان فلم انڈسٹری کا"آسکر ایورڈ" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، فلم انڈسٹری میں نگار ایورڈ کے بعد مقابلے کی فضا پیدا ہوئی اور اس کے فلمی صنعت پر بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے،معروف فلمی صحافی اور ادیب رفیق چمن کہتے ہیں:

'نگار ایوارڈ نے گویا فلمی صنعت میں انقلاب برپا کر دیا، اس تبدیلی کا سہرا الیاس رشیدی کے سر ہے۔' (چمن،رفیق، صفحہ 21)۔

معروف صحافی امین صدر الدین بھایانی کہتے ہیں:

'الیاس رشیدی نے جب نگار ایوارڈ شروع کرنے کا فیصلہ کیا تووسائل بہت محدود تھے، فلمی صنعت سے وابستہ افراد نے اسے دیوانے کی دیوانگی سے تعبیر کیا تھا اور پھبتیاں تک کسی تھیں۔'(بھایانی، امین صدرالدین، صفحہ287)۔

نگار ایوارڈ کو پاکستان کی فلمی صنعت میں تاریخی اہمیت حاصل ہے، معروف فلمی صحافی رفیق مائیکل کہتے ہیں:

'جس طرح بھارت کے غیرسرکاری ایوارڈ "فلم فیئر ایوارڈ"اہمیت کا حامل ہے، اسی طرح پاکستان میں نگار ایوارڈ کو اہم سمجھا جاتا ہے، فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ یہ ایوارڈ حاصل کرے اور یہ ایوارڈ حاصل کرنے والا اپنے آپ کو نگار ایوارڈیافتہ کہلوانا باعث فخرسمجھتا ہے۔' (مائیکل،رفیق، صفحہ نمبر 5)۔

اس میں شک نہیں کہ نگار ایوارڈ کے اجرا کے بعد فلم انڈسٹری میں مقابلے کی فضا پیدا ہوئی اور مثبت رجحان میں اضافہ ہوا، معروف فلمی صحافی اور ادیب رفیق چمن کہتے ہیں:

'اگر فلمی صنعت کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ جان کر خوشی ہو گی کہ نگار ایوارڈ کے اجرا کے بعد کامیاب فلموں کی لائن لگی ہوئی ہے، یہ ہے الیاس رشیدی کا ملکی فلمی صنعت پر ایک بہت بڑا احسان ہےجسے فلمی صنعت کا ہر فرد کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔' (چمن،رفیق، صفحہ21)۔

نگار ایوارڈ بابائے فلمی صحافت الیاس رشیدی کی جانب سے فلمی صنعت کے لیے ایک خاص تحفہ تو تھا ہی یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ آپ نے سرکاری سطح پر فنکاروں کے لیے ایوارڈز کا سلسلہ شروع کرنے کی بھی مہم چلائی، وہ چاہتے تھے کہ فنکاروں کی جتنی ممکن ہو حوصلہ افزائی کی جائے اور اسی مقصد کے لیے وہ ساری عمر جدوجہد کرتے رہے، الیاس رشیدی کی کوششوں کی وجہ سے ہی سرکاری سطح پر ایوارڈز دینے کا سلسلہ شروع ہوا، الیاس رشیدی نے اس مقصد کے لیے اپنے اخبار نگار میں اداریے، کالم اور مضامین لکھے اور خبریں شائع کیں، بقول انور فرہاد:

'دلچسپ بات یہ ہے کہ سرکاری سطح پر فلم والوں کو ایوارڈز دینے کی تحریک بھی بھائی الیاس نے شروع کی تھی، یہ ان کی عظمت تھی کہ انہوں نے اپنے اخبار کے توسط سے یہ تحریک چلائی کہ حکومت وقت کو بھی فلم انڈسٹری کی پذیرائی کرنی چاہیے، اگرچہ انہیں علم تھا کہ سرکاری ایوارڈز کے سامنے ان کے پرائیویٹ ایوارڈز کی قدرو قیمت گھٹ جائے گی، مگر انہیں چونکہ اپنے مفادات نہیں فلم انڈسٹری کی بہتری عزیز تھی اس لیے انہوں نے بڑے زور وشور سے یہ تحریک چلائی اور پھر ایک بار صدارتی ایوارڈز دیے گئے اور تھوڑے ہی عرصے بعد نیشنل فلم ایوارڈز کا سلسلہ شروع ہوا، (چمن،رفیق، صفحہ21)۔

نگار ایوارڈ کی پہلی تقریب 17جولائی 1958ء کو لاہور کے ایورنیو اسٹوڈیو میں ہوئی، اس اسٹوڈیو کے مالک فلم ساز آغا جی اے گل تھے، استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین فلم ساز اور شاہ نور اسٹوڈیو کے مالک سید شوکت حسین رضوی تھے۔پہلے نگار ایوارڈ کے مہمان خصوصی علی احمد تالپور تھے،اولین تقریب میں ریلیز ہونے والی فلموں اور ان کے فنکاروں کے لئے کل 9ایوارڈز کا اعلان کیاگیا اور 9اکتوبر 1957ء کو ریلیز ہونے والی یادگار ترین نغمہ بار فلم "سات لاکھ" کو بہترین فلم قرار دیاگیا جس کے فلم ساز مشہور شاعر سیف الدین سیف مرحوم تھے۔ اس فلم نے کل 5نگار ایوارڈز حاصل کئے،

Pakistan journal of media Sciences (PJMS), Vol.4, Issue: No2. (2023), pp. ...-...
P-ISSN: *2709-5401*, E-ISSN: *2709-5401*

جن مین سیف الدین مرحوم کو بہترین کہانی نویس، ادکارہ صبیحہ خانم کو بہترین اداکارہ، اداکارہ نیئر سلطانہ مرحومہ کو بہترین معاون ادکارہ اور رشید عطرے کو بہترین موسیقار کے ایوارڈز دیئے گئے، اس فلم کے نغمات آج بھی روز اول ہی کی طرح مقبول ہیں جبکہ ڈبلیو زیڈ احمد کو فلم"وعدہ" کا بہترین ہدایت کار، اداکار سنتوش کمار مرحوم کو بہترین اداکارفلم"وعدہ" اداکار علاؤ الدین مرحوم کو فلم"آس پاس" کے لئے بہترین معاون اداکار اور عکاس سہیل ہاشمی کو فلم"بڑا آدمی" کے لئے بہترین عکاس کے ایوارڈز دیئے گئے،1959ء میں نگار ایوارڈ کی تقریب پہلی دو تقریبات کے برعکس لاہور کی بجائے کراچی میں منعقد ہوئی اوراسکے مہمان خصوصی ذوالفقار علی بھٹو تھے جو اس وقت معدنیات و قدرتی وسائل کے وزیر تھے،30جولائی 1960ء کو کراچی کے خیام سینما (جو کہ اب ٹوٹ چکا ہے)میں ہونے والی اس تقریب میں کل 15ایوارڈز دیئے گئے، نگار ایوارڈ کی اب تک کی آخری تقریب 2002ء میں منعقد ہوئی، جس میں اکبر خان کی فلم "یہ دل آپ کا ہوا" بہترین فلم قرار پائی، بہترین ہدایت کار کا ایوارڈ جاوید شیخ کو دیا گیاجبکہ بہترین اداکار معمر رانا اور بہترین اداکارہ کا ایوارڈ ثنا نے حاصل کیا، بہترین معاون اداکار کا ایوارڈ سلیم شیخ اور بہترین معاون اداکارہ کا ایوارڈ وینا ملک کا مقدر بنا،اداکارہ زیبا اور اداکار ندیم کو"الیاس رشیدی گولڈ میڈل"دیا گیا۔ (ہفت روزہ نگارر، دفتری ریکارڈ)۔

یہ اب تک کا آخری نگار ایوارڈ تھا، جس کے بعد یہ سلسلہ ایسا ٹوٹا کہ اب تک جڑ نہ سکا، نگار کے مدیر اسلم رشیدی نے کئی بار "نگار ایوارڈ" کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کی کوشش کی لیکن کئی مصلحتیں آڑے آتی رہیں، راقم الحروف(محمد سرفراز سیال) کو اپنے ایک انٹرویو میں ہفت روزہ نگار کے مدیر اسلم رشیدی کا کہنا تھا:

'میری خواہش تھی اور ا ب بھی ہے کہ نگار ایوارڈ کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے، فلم انڈسٹری کے لوگوں کا بھی اصرار تھاکہ اس ٹوٹے ہوئے سلسلے کو دوبارہ جوڑا جائے لیکن اب تک اس سلسلے میں کامیابی نہیں ہو سکی، حقیقت یہ ہے کہ اب سال بھر میں بڑی مشکل سے فلمیں ہی آٹھ یا نو بنتی ہیں تو کئی خیرخواہوں نے مشورہ دیا کہ ان چند فلموں میں سے بھلا کیا انتخاب کیا جائے گا۔' (سیال، محمد سرفراز، انٹرویو)۔

نگار ایوارڈ جاری رکھنے کا سفر الیاس رشیدی صاحب کے لیے بھی اتنا آسان نہیں تھا، ان کی زندگی کے دوران بھی نگار ایوارڈز کی راہ میں کئی مشکلات حائل ہوتی رہیں، سازشیں بھی کی گئیں لیکن وہ ڈٹے رہے، 1984 ء میں کچھ لوگوں نے اعتراض اٹھایا کہ نگارایوارڈ پر بنی مورتی کی تصویر دراصل بت پرستی کے زمرے میں آتی جبکہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اس لیےیہ بہت غیرمعیوب بات ہے کہ اتنے بڑے ایوارڈز کے حوالے سے بت پرستی کا تصور ابھرے، لہٰذا کئی بدخواہوں نے اسے ایشو بنانے کی کوشش کی، الیاس رشیدی نے بھی صورتحال سے مجبور ہو کر ڈیزائن کی تبدیلی پر غور شروع کر دیا، اس حوالے سے انہوں نے اپنے دوست ابن حسن نگار سے بھی مشورہ کیا چونکہ نگار ایوارڈ پر بنا مورتی کا نشان دراصل ابن حسن نگار کا ہی بنایا ہوا ڈیزائن تھا،صورتحال کو بھانپتے ہوئے ابن حسن نگار نے بھی ایک نیا ڈیزائن بنایا جسے بابائے صحافت الیاس رشیدی نےبھی پسند کر لیا اور یوں 1985ء سے نگار ایوارڈز کا ڈیزائن تبدیل کر دیا گیا۔ (فرہاد،انور، صفحہ نمبر 3)۔

بانی نگارالیاس رشیدی کا انتقال

اتوار 3اگست 1997ء کوبابائے فلمی صحافت الیاس رشیدی پر فالج کا حملہ ہوا، آپ کو فوری طور پر کراچی کے آغا خان اسپتال لے جایا گیا جہاں آپ چار روز تک زیرعلاج رہے اور 7 اگست1997ء کی صبح اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، آپ کو حب ریور روڈ کے شفیق پورہ قبرستان میں سپردخاک کیا گیا۔

پاکستان میں 1947ء سے 2020ء کے درمیان بننے والی فلموں کی تعداد

دورانیہ	فلموں کی تعداد
1947ء سے 1950ء تک	20
1951ء سے1960ء تک	220
1961ء سے1970ء تک	803
1971ء سے1980ء تک	950
1981ء سے1990ء تک	864
1991ء سے2000ء تک	703

Pakistan journal of media Sciences (PJMS), Vol.4, Issue: No2. (2023), pp. ...-...
P-ISSN: *2709-5401*, E-ISSN: *2709-5401*

2001ء سے2010ء تک	456
2010ء سے2020ء تک	330

(ہفت روزہ نگار اور یاسین گوریجہ کی کتاب "پاکستان ملینیم فلم ڈائریکٹری سے حاصل کیا گیا ریکارڈ)

اس طرح ان73برسوں میں پاا کستان میں کل4346فلمیں بنائی گئیں، جس کی اوسط شرح59فلمیں سالانہ بنتی ہے۔

نتائج

مندرجہ بالا حقائق کےتناظر میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہفت روزہ نگار نےپاکستانی فلمی صنعت کے فروغ کے لیے بھرپور کردار ادا کیا،نگار نے ایک طرح سے فلمی صنعت کے لیے آئینے کا کردار ادا کیا، فلمی صنعت سے وابستہ افراد جہاں غلطی کرتے نگار اپنے اداریوں اور مضامین کے ذریعے اس کی نشاندہی کرتا، ڈبل ورژن فلموں کی مخالفت ہو یا چربہ سازی کے رجحان کی حوصلہ شکنی، ہفت روزہ نگار اور بانی نگار ہرمحاذ پر فلمی صنعت کی رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں، اسی طرح اگر کسی فلم ساز کو تقسیم کار کی تلاش میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا تو نگار نے اس کی مدد کی، کسی ہدایت کار کو اداکاروں کی تلاش اور انتخاب میں مسئلہ درپیش ہوا تو نگار نے دست تعاون بڑھا دیا، کسی اداکار کوفلم میں مناسب کردار نہ مل سکا تو نگار اس کے لیے مددگار ثابت ہوا، مارشل لا دور میں فلمی صنعت کا گلاگھونٹنے کی کوشش کی گئی تو نگار فلمی صنعت سے وابستہ افراد کے ساتھ مل کر جدوجہد میں پیش پیش رہا، فلمی صنعت میں مقابلے کارجحان پیدا کرنے میں تو نگا ر کا کوئی ثانی نہیں، نگار ایوارڈ کا آغاز کرکے بابائے فلمی صحافت الیاس رشید ی نے اس صنعت پر جو احسان کیا،وہ اپنی مثال آپ ہے۔

سفارشات وتجاویز

فلم ایک بہت بڑا میڈیم ہے اور اس کا دائرہ کار ہر خاص وعام تک پھیلا ہوا ہے،میڈیا کے اس دور میں اسے پروپیگنڈے کےبہترین ذریعے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے، فلموں کے ذریعے ملک ایک دوسرے پر ثقافتی یلغار کررہے ہیں، رواں صدی میڈیا کی صدی ہے اورفلم اس کا اہم جز ہے، اس زمانے میں تمام تر کوششوں کے باوجود ایک فلم کو دوسرے ملک میں جانے سے روکا نہیں جا سکتا، اس پر نہ توسرحدی پابندیاں لگائی جا سکتی ہیں اور نہ ہی دوسرے قوانین کی مدد سے اسے روکنا ممکن رہا ہے،بظاہر پابندیاں تو لگائی جا سکتی ہیں اور لگتی بھی رہتی ہیں لیکن ان پرمکمل عملدرآمد کسی طور ممکن نہیں، آج بچے بچے کے پاس جدید موبائل ہے اور انٹرنیٹ کے ذریعے مواد کی لمحوں بھر میں ترسیل اب کوئی مشکل کام نہیں رہا، یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک اس جانب خاص توجہ دے رہے ہیں، مختلف ممالک میں بعض خاص موضوعات پر بننے والی فلموں اور خاص طور پر ایسی فلموں کوجن میں ثقافت کی ترویج کی جارہی ہو، خاص رعایتیں دینے کے ساتھ ساتھ مالی مدد بھی فراہم کی جاتی ہے لیکن بدقسمتی سے اتنا اہم شعبہ ہونے کے باوجود پاکستان میں اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی جا سکی، میری تجویز ہے کہ فلم انڈسٹری کی ترقی کے لیے حکومت کچھ عرصے کے لیے فلمی صنعت کو ٹیکس کی چھوٹ دے، سینما گھروں میں تفریحی ٹیکس عارضی طور پر ختم کیا جائے، حالیہ بجٹ میں اگر چہ فلمی صنعت کے لیے مراعات کا اعلان کیا گیا ہے اور وفاقی وزیراطلاعات مریم اورنگزیب نے بھی فلمی صنعت کو ہرممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی ہے لیکن حکومتی اقدمات عملی طور پر نظر آنے چاہئیں تاکہ فلم انڈسٹری سے وابستہ افراد کا اعتماد بحال ہو سکے،حکومت فلمی صنعت کے لیے تاریخی اہمیت کے حامل نگار ایوارڈ کے دوبارہ اجرا کے لیے ہفت روزہ نگار کی انتظامیہ سے بھرپورتعاون کرے تاکہ ایک بار پھر فلم انڈسٹری کے مستند ایوارڈ کا سلسلہ شروع کیا جا سکے،فلم سازوں کونئے نئے اور اچھوتے موضوعات پر فلمیں بنانے کی جانب راغب کیا جائے، اس کے لیے بھی حکومت کی سرپرستی ضروری ہے یا تو ایسے ادارے بنائے جائیں جو فلم سازوں کو اس جانب راغب کریں یا پھر حکومت سطح پر ایسی انعامی اسکیم کا اعلان کیا جائے جس کے ذریعے فلم سازوں کو اس جانب راغب کیا جاسکے،اس میں شک نہیں پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں نئے نئے سینما گھر بن رہے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان سینما گھروں کی ٹکٹ بہت مہنگی ہیں اور ایک عام آدمی یہ ٹکٹ خرید کر اہل خانہ کے ساتھ اس تفریح کا لطف نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح چھوٹے شہروں اور قصبوں کی سطح پر سینما گھر بنانے پر توجہ دی جائے، حکومت اس بات کا اہتمام کرے کہ سینما گھروں پر سستے ٹکٹ دستیاب ہوں تاکہ متوسط اور غریب طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد بھی اس تفریح کا لطف اٹھا سکیں، اسی طرح سے ہفت روزہ نگار کے لیے تجویز یہ ہے کہ اسے جدید دور سے ہم آہنگ کرنے کے لیے کوششیں

کی جائیں، روایتی اخبارات کا زمانہ ختم ہوتا جا رہا ہے، اخبارات خرید کر پڑھنے کا رجحان کم ہو رہا ہے، ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہفت روزہ نگار کی انتظامیہ اسے جدید خطوط پر استوار کرنے کی کوشش کرے، ہفتہ روزہ نگار کوانٹرنیٹ پر منتقل کیا جائے،پرنٹ ایڈیشن کے ساتھ اس کے ویب ایڈیشن کا اہتمام کیا جائے، اسی طرح نگار انتظامیہ یوٹیوب چینل کا بھی آغاز کر سکتی ہے،اس میں شک نہیں کہ ہفت روزہ نگار کے شمارے اپنے اندر فلمی صنعت کی تاریخ سموئے ہیں لیکن گزرتے وقت کے ساتھ ان کو محفوظ رکھنا کسی چیلنج سے کم نہیں، حکومت پاکستان محکمہ اطلاعات اور ثقافت کی مدد سے اس کا ریکارڈ محفوظ بنانے کے لیے لائحہ عمل بنا سکتی ہے،اسی طرح فلمی صحافت بھی اب ایک وسیع فیلڈ بن چکی ہے، اسے بھی فلم اور ٹی وی پروڈکشن کے ساتھ نصاب کا حصہ بنانا چاہیے تاکہ ماسٹر کی ڈگری حاصل کر کے عملی زندگی میں قدم رکھنے والے طلبہ کو پیشہ وارانہ امور کی انجام دہی میں آسانی ہو اور وہ احسن طریقے سے اپنی ذمہ داریاں نبھا سکیں، میری تجویز ہے کہ حکومتی سطح پر بابائے فلمی صحافت الیاس رشیدی کے نام سے اکیڈمی قائم کی جائے جس میں فلمی صنعت سے تعلق رکھنے والے صحافیوں کی تربیت کا انتظام کیا جائے، تاکہ فلمی صنعت کی ترقی کے لیے تربیت یافتہ صحافی بھی اپنا حصہ ڈال سکیں۔

حوالہ جات

- امرت، سعید، ہفت روزہ نگار کراچی،گولڈن جوبلی ایڈیشن 4مارچ 2000ء صفحہ 24۔
- آفاقی، علی سفیان،فلمی الف لیلہ،حق پبلی کیشنز 2Aسید پلازہ، جی ٹی روڈ اردو بازار، لاہور۔
- آفاقی، علی سفیان،فلمی الف لیلہ،حق پبلی کیشنز 2Aسید پلازہ، جی ٹی روڈ اردو بازار، لاہور۔
- آفاقی، علی سفیان، ہفت روزہ نگار، گولڈن جوبلی ایڈیشن 4مارچ 2000ء صفحہ 31۔
- بھایانی، امین صدرالدین، ہفت روزہ نگار گولڈن جوبلی ایڈیشن، 4مارچ 2000ء صفحہ287۔
- تلخ، منموہن اردو صحافت اور فلم، ماہنامہ آج کل،نئی دہلی، دسمبر 1983ء۔
- جلالزئی، موسیٰ خان ، صحافت ، پرنس بک ڈپو اردو بازار، لاہور 1993ء، صفحہ نمبر19۔
- چمن،رفیق، ہفت روزہ نگار،کراچی،گولڈن جوبلی ایڈیشن، 4مارچ 2000ء صفحہ 21۔
- چمن،رفیق، ہفت روزہ نگار گولڈن جوبلی ایڈیشن، 4مارچ 2000ء صفحہ21۔
- رشید، ماجد،سابق جنرل سیکریٹری فلم رائٹر ایسوسی ایشن ، ہفت روزہ نگار، کراچی یکم جولائی 1994ء صفحہ نمبر 3۔
- رشیدی الیاس،ہفت روزہ نگار، کراچی یکم جولائی1994ء صفحہ نمبر 3۔
- رشیدی، الیاس،ہفت روزہ نگار، کراچی، 15جولائی1994ء صفحہ نمبر 3۔
- رشیدی، الیاس،ہفت روزہ نگار، کراچی،9دسمبر1994ء صفحہ نمبر 3۔
- رشیدی، الیاس،ہفت روزہ نگار، کراچی، 25نومبر1994صفحہ نمبر 3۔
- سیال، محمد سرفراز انٹرویو مدیر ہفت روزہ نگار اسلم الیاس رشیدی، 22 جولائی 2022ء۔
- شہزاد،محمد ابراہیم، ہفت روزہ نگار گولڈن جوبلی ایڈیشن 4مارچ 2000ء صفحہ395۔
- شیخ،جاوید(ہدایت کارو اداکار) ہفت روزہ نگار گولڈن جوبلی ایڈیشن 4مارچ 2000ء صفحہ 422۔
- عامر، ثروت حسنین،ذرائع ابلاغ ایک جائزہ، شعبہ ابلاغ عامہ جناح یونیورسٹی برائے خواتین، کراچی،دسمبر 2004 ء صفحہ نمبر89،90۔
- عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، داستان صحافت، مکتبہ کارواں کچہری روڈ، لاہور، صفحہ نمبر12۔
- عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، داستان صحافت مکتبہ کارواں کچہری روڈ، لاہور، صفحہ نمبر65،66۔
- فرہاد،انور،ہفت روزہ نگار، کراچی،9جنوری1998ء صفحہ نمبر 2۔
- فرہاد،انور،ہفت روزہ نگار،کراچی 23جنوری1998ء صفحہ نمبر 3۔
- کانپوری، زخمی،ہفت روزہ نگار، کراچی22اگست 1997ء صفحہ نمبر5۔

Pakistan journal of media Sciences (PJMS), Vol.4, Issue: No2. (2023), pp. ...-...
P-ISSN: *2709-5401*, E-ISSN: *2709-5401*

- گوریجہ، یاسین،نگار گولڈن جوبلی نمبر، کراچی، 4مارچ 2000ء صفحہ نمبر 63،427۔
- گوریجہ، یاسین،ہفت روزہ نگار، کراچی، 2جنوری1998، صفحہ نمبر2۔
- گوریجہ ، یاسین، پاکستان ملینیم فلم ڈائریکٹری،یاسین گوریجہ پبلی کیشنز،میکلوڈروڈ،لاہور، جنوری 2003 ء۔
- مائیکل،رفیق، ہفت روزہ نگار،کراچی، 12ستمبر 1997ء صفحہ نمبر 5۔
- نثار، حسن،فلمی صفحے کی کہانی، روزنامہ جنگ، کراچی 13نومبر 2016ء۔
- ندیم،عنایت علی، ہفت روزہ نگار گولڈن جوبلی ایڈیشن 4مارچ 2000ء صفحہ 399۔